اسلامی فلاحی ریاست کا تصوّر

اور

اس کے تقاضے ــ تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی، شعبہ اسلامیات گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج مانسہرہ

نوٹ: قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۱ء میں مقالہ ہذا پر سرحد سے اوّل پوزیشن حاصل کرنے پر صدر مملکت حکومتِ پاکستان سے اوّل انعام وصول کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انسان نہ صرف روح کا نام ہے نہ فقط جسم کا بلکہ دونوں کے مجموعے کو انسان کہا جاتا ہے، اس لیے نوع انسانی کا عالمگیر اور ابدی دین وہی ہو سکتا ہے جو دونوں کی نشو ونما اور بالیدگی کا ضامن ہو، دونوں میں باہمی کشمکش اور محاذ آرائی ختم کرے اور ان میں ایسی ہم آہنگی پیدا کر دے کہ دونوں ایک ہی راہ پر ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔

دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ترک دنیا ناگزیر ہے۔ وہ رہبانیت کا سخت مخالف ہے، اس کے نزدیک معاشی سرگرمیاں نہ صرف جائز اور مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری ہو جاتی ہیں۔ وہ کسب حلال کو "فریضۃ بعد فریضۃ" (۱) قرار دیتا ہے۔ وہ تجارت کو "فضل اللہ"۔ (۲) اموال کو "خیر" (۳) اور "التی جعل اللہ لکم قیاماً" (۴) خوراک کو "الطیبات من الرزق" (۵) لباس کو "زینۃ اللہ" (۶) اور رہائش کو "سکن"، (سکون واطمینان کی جگہ) (۷) سے

تعبیر کرتا ہے۔ وہ بیک وقت دین و دنیا دونوں کی فلاح و کامیابی اور کفالت کا ضامن ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو خوشحال اور فارغ البال دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ کی شان رزاقی کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اس کی رزاقی پر یقین رکھنے والے لوگ معاشی طور پر خوشحال ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عجم کو برا کہنے سے منع کیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوشحال بنایا تو ان میں اللہ کے بندوں نے زندگی گزاری[۸] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رعایا کی خوشحالی کیلیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے رہتے تھے[۹]

دنیاوی خوشحالی اور رفاہیت فضل خداوندی اور نکبت و فلاکت عذاب ہے، آپ نے نہ صرف خود فقر و افلاس سے پناہ مانگی بلکہ امت کو بھی اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی[۱۰]

اسلام درحقیقت خوشحالی کا ایسا نظام بروئے کار لانا چاہتا ہے جس کے سایہ میں ہر انسان کو اس کی لازمی ضرورت کے مطابق کھانے پینے، رہنے سہنے اور زندہ رہنے کا سامان میسر آئے اور جس میں پھل پھول کی بہار بھی نظر آئے۔

دنیوی فلاح و ترقی کا قرآنی ضابطہ

انبیاءؑ کی دعوتوں کے سرسری جائزہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو خدا کے دین کی طرف یہ یقین دلاتے ہوئے دعوت دی کہ میری اتباع تمہیں آخرت ہی کی نہیں دنیا کی بھی فلاح بخشے گی۔ حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ اور حضرت موسیٰؑ نے دنیاوی فلاح و ترقی کو خدا کی عبادت اور اپنی اطاعت کے ساتھ مشروط قرار دیا[۱۱] قرآن کہتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل توراۃ و انجیل کی اقامت کرتے تو "رزق" ان کے اوپر سے بھی برستا اور نیچے سے بھی ابلتا[۱۲] غرض ساری اقوام کے لیے یہ عمومی قانون الٰہی رہا ہے کہ "اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ پہ چلتے تو ہم ان کے اوپر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے"[۱۳] اسلام اور اُمت مسلمہ کے بارے میں خدا کا یہی ضابطہ اور فیصلہ ہے، دنیوی فلاح کے بارے میں اسی طرح کا وعدہ اس امت سے بھی کیا گیا ہے "اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تمہیں زندگی کا اچھا سامان عطا فرماتا رہے گا"[۱۴] نیز فرمایا، "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا۔ اور ان کے لیے اس دین کی جڑیں مضبوط جما دے گا جسے ان کے لیے پسند فرمایا اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو حالتِ امن

سے بدل دے گا"[۱۵] گویا جس طرح اخروی فلاح کے لیئے "ایمان" اور "عمل صالح" یا بالفاظِ دیگر "اتباعِ شریعت" ایک لازمی شرط ہے اسی طرح دنیوی فلاح و سعادت بھی اسی کے ساتھ مشروط ہے اس کے برعکس خدائی احکامات و قوانین سے اعراض اور روگردانی کا نتیجہ معاشی بدحالی اور بے چینی ہے۔ قرآن اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "اور جو میری یاد (اطاعت) سے منہ پھیر لیتا ہے تو اس کی گزران تنگ کر دی جاتی ہے"[۱۶]

لیکن یہ حقیقت یہاں ملحوظ رہے کہ دولت، عزت اور اقتدار و حکومت وغیرہ جنہیں فلاح دنیا سے موسوم کیا جاتا ہے اگرچہ قرآن و سنّت کی روشنی میں خدا کی نعمتیں اور اس کا فضل ہیں بشرطیکہ یہ چیزیں انسان کا مطمح نظر اور مقصود نہ بن جائیں اگر یہ چیزیں ایک انسان کو خدا سے غافل اور اس کے دین کے تقاضوں سے بے پرواہ بنا دیں تو وہ قابلِ نفرین و لائقِ مذمت ہیں اور اگر خدا سے غافل کرنے کے بجائے اس کے احکامات و قوانین پر عمل کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوں تو عین محمود و مطلوب ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

الغرض انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح و ترقی خدا کے دیے ہوئے نظامِ حیات کی پیروی میں مضمر ہے۔

اسلام کی وسعت و ہمہ گیری اسلام جس طرح زندگی کے تمام شعبوں میں فلاح و خیر کا داعی ہے اسی طرح ریاست کی بھی فلاحی بنیادوں پر تشکیل کرنے کا حکم دیتا ہے عوام اور رعایا کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور ان کی فلاح و بہبود کو ریاست کے اہم فرائض میں شامل کرتا ہے اور ایسی ہی ریاست کو فلاحی ریاست سے تعبیر کرتا ہے جو پورے معاشرے کی ترقی و خوشحالی کی ضامن ہو جہاں خدا کے کنبے کا کوئی فرد کھانے، پینے، کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ ہو، جہاں ترقی کے مواقع سب کے لیے یکساں ہوں اور ہر ایک کو اس کی محنت، ذہانت، قابلیت اور صلاحیت کے بقدر صلہ ملے۔ اور جہاں ہر شخص امن اور سکون کے ساتھ ہر قسم کے ظلم و استحصال سے محفوظ رہ کر اپنے حقوق حاصل کر سکے۔

فلاحی ریاست کے اولین مؤسّس یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ سب سے پہلے ایک

مثالی اور فلاحی مملکت کو تشکیل دینے والے اور اسے روبہ عمل لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اگرچہ یونانیوں نے خصوصاً ارسطو نے ایک فلاحی مملکت کا محدود تصور پیش کیا تھا مگر ارسطو کی وہ فلاحی مملکت بھی ابھی تک اپنے اصلی معنوں میں اور اصلی شکل میں زمین کے ٹکڑے پر قائم نہ ہو سکی۔

"کارل مارکس" نے بھی ایک فلاحی مملکت کا نظریہ دے کر دنیا کو چونکا دیا مگر وہ خود اس مملکت کو قائم ہوتے نہ دیکھ سکا، اس کی موت کے کافی دیر بعد روس نے اس کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی کوشش کی، اس کے لیے لاکھوں جانوں کے اتلاف کی صورت میں اس نظام کو مستحکم کرنے کی قیمت بھی ادا کی مگر نصف صدی سے کم عرصہ میں ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ کارل مارکس کا نظریۂ فلاحی مملکت ناقابل عمل تھا، نتیجۃً اب روس واپسی کا سفر اختیار کر رہا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فلاحی مملکت کا تصور پیش کیا اور اسے عملاً لاگو کر کے بھی دکھایا اور زمانے نے اس فلاحی مملکت کے فیوض و برکات کا مشاہدہ کیا۔

دورِ حاضر کے بعض مفکرین و مصلحین نے مملکت کی فلاح و بہبود اور ترقی و خوشحالی کے لیے جو اصلاحی تجاویز پیش کی ہیں اور جن پر عمل درآمد کر کے وہ بزعم خود جدید فلاحی ریاست کی دعویدار ہیں ان میں سے چند اصول ایسے ہیں جو اسلام سے ماخوذ ہیں مثلاً مفت علاج، رہائش کا انتظام، بیروزگاری کا انسداد اور وظائف وغیرہ اقدامات اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ دنیا کس طرح آزمائش و فروگذاشت کے طولانی عمل سے گزر کر درجہ بدرجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصورِ مملکت کی معقولیت و صداقت کو دیکھنے کے لیے قریب آ رہی ہے۔

اسلامی ریاست کا جدید فلاحی ریاستوں سے موازنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تشکیل پانے والی اسلامی ریاست دورِ حاضر کی جدید فلاحی ریاستوں سے بوجوہ ممتاز تھی۔

۱۔ اس فلاح کا دائرہ صرف دنیاوی ترقی تک محدود نہیں۔ کہ معاشرہ کی بنیاد دیگر معاشروں کی طرح مادیت پر قائم ہو۔ یعنی انسانی جدوجہد کا مقصود یہ کہ انسان کو بنیادی ضروریات حاصل ہو جائیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسائٹی کی بنیاد "مادیت" کے بجائے "روحانیت" پر رکھی اور یہ امر واضح کیا کہ اگرچہ مادیت زندگی کے قیام و بقاء کے لیے ناگزیر ہے اور اسے بہرحال حاصل کرنا چاہیے[۱۷]

لیکن انسانی جدّوجہد کا اصل ہدف فلاح آخرت ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ دنیاوی مال ومتاع کو زندگی کا مقصود نہ بنا لیا جائے[۱۸] کہ مادی ضرورتیں انسان کی روحانی اقدار کو پامال کرنے لگیں محض مادی ترقی ہی فلاح کی ضامن ہوتی تو مادی طور پر خوشحال قومیں (عاد وثمود وقوم شعیب وغیرہ) کبھی بھی ہلاکت و تباہی کا شکار نہ ہوتیں۔

اسی اصول کے پیش نظر اسلامی ریاست کے باشندے ایک طرف تو اپنے فکر وعمل سے مادی زندگی کو خوشگوار اور معاشرے کو جنّت نشان بنانے میں حصّہ لیتے ہیں تو دوسری طرف اپنے فکر وعمل سے رضائے الٰہی اور اخروی فلاح کے حصول کا سامان حاصل کرتے ہیں۔

ب ۔ قرآنی احکام کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جہاں اچھائیاں فروغ پائیں، برائیوں کا استیصال ہو، لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں اور جہاں معاشی ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرکے اخلاقی فضائل کا نشو ونما ہوسکے، ان مقاصد کے حصول کے لیے آپ کا زیادہ تر زور اس بات پر تھا کہ افراد معاشرہ کی ذہنی واخلاقی تربیت ہو اور قانون وریاست کی مداخلت کم سے کم ہو[۱۹] نیز آپ کی مساعی کا رخ یہ تھا کہ لوگوں کے اندر ایمان پیدا کرنے اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان کو بہتر انسان بنانے کی تدابیر کی جائیں تاکہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ رضاکارانہ تعاون اور بے غرضانہ فیاضی، ہمدردی اور احسان کا سلوک کرنے کی عادی ہوں، پھر جو کسر رہ جائے اسے پورا کرنے کے لیے ریاست وقانون کو استعمال میں لاکر اجتماعی فلاح کا سامان بہم پہنچایا جائے۔

ج ۔ جدید فلاحی ریاست میں کفالت کی ذمّہ داری حکومت وریاست پر ہے مگر تعلیماتِ نبویؐ کی رُو سے اسلامی ریاست میں پوری قوم اجتماعی طور پر ذمہ دار ہے بفحوائے ارشاد نبویؐ "کلّکم راعٍ و کلّکم مسئولٌ عن رعیتہ"[۲۰] (تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص چاہے چھوٹے سے چھوٹے درجہ کا ہو وہ ان لوگوں کے بارے میں جوابدہ ہے جو اس کی ذمہ داری میں اس کے زیر کفالت ہیں، جوں جوں کسی شخص کا درجہ بڑھتا جائے گا اس کی ذمہ داری بھی بڑھتی چلی جائے گی، حتّٰی کہ جو شخص پوری قوم یا پورے ملک کا حاکم اعلیٰ ہو وہ اس پوری قوم یا اس پورے ملک کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔ یہاں نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح کفالت کی ساری ذمہ داری خاندان کے سربراہ پر ہے اور نہ ہی ساری ذمہ داری ریاست پر ہے بلکہ خاندان سے لے

کہ ریاست تک ترتیب کے ساتھ مختلف دائرے ہیں اگر ایک دائرہ اپنا فریضہ سرانجام نہیں دیتا تو اس کفالت کا دوسرا دائرہ موجود ہے جو پھیلتے پھیلتے آخری ریاست کی سطح تک پہنچتا ہے جس کا کوئی کفیل نہ ہو پھر اس کی کفیل ریاست ہے اور یہی مفہوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا۔

"السلطان ولیّ من لا ولیّ لہ"[۲۱]

"ابن الطقطقی" نے بالکل صحیح کہا ہے کہ" اسلامی حکومت اپنی غایت، اپنی سادگی اور عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل وجداگانہ شے ہے، وہ ایک ایسی حکومت ہے جو عام دنیاوی حکومتوں سے بالکل الگ اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفید ہے[۲۲]

اسلامی فلاحی ریاست کے قیام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی۔

۱۔ قیام امن وعدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستِ اسلامی کے قیام کے فوراً بعد اس کے استحکام اور داخلی امن وامان کی طرف فوری توجہ فرمائی۔ اسلامی ریاست کو اندرونی خلفشار سے محفوظ رکھنے کے لیے مہاجرین وانصار کے درمیان "مؤاخات" کا رشتہ قائم کرکے گروہی اور نسلی اختلافات کا دروازہ بند کردیا۔

"میثاقِ مدینہ" کے ذریعہ تمام فریقوں اور قبیلوں کے حقوق وفرائض واضح طور پر متعین فرما کر قیام عدل کا فریضہ سرانجام دیا۔ ریاستِ مدینہ کو خارجی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ اور اس کے گردونواح میں آباد یہودی قبائل سے معاہدے کرکے انہیں اپنا حلیف بنایا[۲۳]

دشمن کے مقابلہ اور دفاعی وحفاظتی اقدامات کے تحت فنون حرب کو ترقی دی۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :

"آپ ہمیشہ لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے تھے، نشانہ بازی کی مشق کی بھی تشویق دلاتے، خود بھی وہاں جاتے اور اپنے سامنے گھڑ دوڑ کراتے۔ مقریزی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچ اوّل آنے والے گھوڑوں کو انعام دیا کرتے تھے اور یہ انعام کبھی کھجور کی صورت میں ہوتے اور کبھی کسی اور چیز کی صورت میں . . . اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ہتھیاروں، گھوڑوں اور اونٹوں کے خریدنے کی طرف بھی توجہ فرمائی"[۲۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے اہم ترین نئے اسلحے بھی استعمال کئے۔ آپؐ کے دور میں اہم ترین آلاتِ حرب میں سے "دُبابۃ" (تیر سے حفاظت کے لیے موٹا چمڑہ منڈھ کر بنائی جانے والی مخصوص گاڑی جو قلعہ شکنی کے لیے استعمال کی جاتی تھی) "خبر" (لکڑی پر کھال منڈھ کر چھتری کی طرح بنائی جاتی تھی جس کے ذریعہ پیٹھ کی حفاظت ہوتی تھی) "منجنیق" (اس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے جو گویا اس دور کی توپ تھی) اور حسق" (ایک خاردار گھاس، جسے قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ کو مخدوش کیا جاتا تھا، گویا یہ اس دور کی بارودی سرنگیں تھیں) استعمال ہوتے تھے[۲۵] آپؐ نے غزوۂ طائف میں منجنیق استعمال کی اور قلعہ کے گرد حسق بکھیری[۲۶]

مملکت میں امن وامان قائم کرنے، نظم وضبط برقرار رکھنے اور اس کے استحکام کے لیے آپؐ نے متعدد اقدامات کئے۔ امن وسلامتی کے قیام کے لیے انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کو تحفظ فراہم کیا[۲۷] تنگ نظری اور تعصب ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر قائم کی اور پرامن بقائے باہمی کا درس دیا[۲۸] ایسے رذائل سے اجتناب کی دعوت دی جو نفرت وکدورت اور بغض وعداوت کا باعث بنتے ہیں[۲۹] ان اخلاق حمیدہ کی تلقین کی جن سے محبت واخوت اور اتحاد ویکجہتی کو فروغ حاصل ہوتا ہو[۳۰] اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی واخلاقی تربیت کے ذریعہ عرب کے جنگجو اور متحارب گروہوں سے ظلم وانتقام کی روایات کو ختم کر کے امن وسلامتی کی فضا قائم کی۔

اس کے علاوہ چند عملی اقدامات بھی کئے، امن وامان کی صورتحال خراب کرنے والوں کی تادیب کے لیے بھی آپؐ نے باقاعدہ انتظام کیا اس غرض کے لیے نہ صرف یہ کہ پولیس کا محکمہ اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھا[۳۱] بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کسی قسم کے خطرہ کی بو سونگھ کر تحقیق حال کے لیے راتوں میں گشت پر نکل جاتے[۳۲] علاوہ ازیں رات کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لیے مدینہ میں ایک "صاحب العسس" بھی مقرر فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے، آواز لگائے اور مشکوک افراد کا پیچھا کرے[۳۳] آپؐ نے مخبری اور جاسوسی کے ضروری انتظامات کئے اور ایک متجسس کا تقرر بھی فرمایا جس کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے[۳۴] اندرون ریاست جرائم کا ارتکاب کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انہیں تنبیہ بھی کرتے اور ضروری سزا بھی دیتے[۳۵] اور اگر مناسب سمجھتے تو انہیں محبوس فرما دیتے[۳۶]

مختصر یہ کہ حدودِ ریاست میں امن و امان اور عدل قائم کرنے میں آپؐ اتنے کامیاب ثابت ہوئے کہ آپؐ کے عہدِ حکومت میں امن و امان کا مسئلہ قابلِ ذکر طور پر کبھی پیدا نہیں ہوا۔ مؤرخ "وان کریمر" کے بقول۔

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا"[۳۷]

ب۔ مہاجرین کی آبادکاری بحیثیت سربراہِ ریاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیگر اہم مسائل کے علاوہ ایک مسئلہ ان مہاجرین کی آبادکاری کا تھا کہ جن مسلمانوں نے اپنا گھر بار مال و متاع سب کچھ قربان کر کے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی ان کی معاشی آسودگی اور آبادکاری کا انتظام کریں۔ اس اہم مسئلہ کے حل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی پر جبر و زور کا مظاہرہ کیا نہ کوئی قانون مسلط کیا اور نہ ہی اہلِ مدینہ پر بے جا بار ڈالا بلکہ اس جانب ایک جامع اور مؤثر قدم یہ اٹھایا کہ "انصار" و "مہاجرین" کے درمیان "عقدِ مؤاخاۃ" کو قائم فرمایا۔ ابنِ ہشام کے بیان کے مطابق رسول اللہ کا فرمان یہ تھا کہ: "خدا کی راہ میں دو دو آدمی آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"[۳۸] جس کے نتیجہ میں مہاجرین و انصار میں حقیقی بھائیوں جیسے تعلقات استوار ہو گئے، بلکہ بعض صورتوں میں تو انہوں نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ حق برادری ادا کیا چنانچہ کوئی انصاری وفات پاتا تو اس کی جائداد اور مال کا وارث مہاجر بھائی قرار پاتا تھا اور اس کے دوسرے متعلقین محروم رہتے تھے[۳۹] یہ حق توارث جنگِ بدر تک جاری رکھا گیا[۴۰]

ج۔ رہائشی انتظامات اس طریقے سے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخاۃ کی وجہ سے ایک طرف بے سر و سامان، غریب الدیار مہاجرینِ مکّہ کی آبادی کا مسئلہ حل ہو گیا اور دوسری طرف ان کی معاشی کفالت کی ایک سبیل پیدا ہو گئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کی سب سے بڑی ضرورت رہائش کی تھی۔ "عقدِ مؤاخات" کے ذریعہ اگرچہ یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا لیکن کچھ ہی مدت بعد مہاجرین اپنے مکانوں اور جھونپڑوں میں منتقل ہو گئے۔ یہ مکانات ان "قطائع" پر بنائے گئے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ مدینہ کی موہوبہ اراضی یا افتادہ زمینوں سے عطا کئے تھے[۴۱]

دنیا میں ہزاروں لڑائیاں ہوئیں، لوگ بے گھر ہوئے سیاسی نظریات سے اختلاف کی بنا پر بھی لوگ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے، انہیں دوسرے ملکوں میں سیاسی پناہ بھی ملی اور حقوقِ شہریت

بھی۔ مالی امداد و تعاون بھی حاصل ہوا مگر پریشان حال لوگوں کی بحالی اور آبادکاری کا جو نسخہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے آزمایا وہ دنیا میں کہیں اور استعمال نہیں ہوا۔

د۔ خورد و نوش کا انتظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے مدینہ میں میٹھے پانی کا بھی سرکاری سطح پر انتظام کیا چنانچہ آپ کی خواہش پر حضرت عثمانؓ نے چار ہزار دینار میں "بئر رومہ" جو مدینہ کے کنوؤں میں سب سے میٹھا پانی رکھتا تھا مسلمانوں کے لیے خرید کر وقف کر دیا[۴۲] اس کے علاوہ بھی دیگر کنوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تیار کیے گئے۔

رہائشی مکانات کے لیے قطائع کے علاوہ متعدد قطائع زرعی اور تجارتی مقاصد کے لیے بھی دیے گئے۔ یہ زرعی قطائع بعض اوقات گھاس، کھجوروں کے باغات اور چشموں پر مشتمل ہوتے تھے[۴۳]

قابلِ کاشت اراضی کے علاوہ کچھ مردہ زمینیں (ارض موات) بھی مختلف لوگوں کو بطورِ قطائع عطا فرمائی تھیں تاکہ ان پر کاشت کی جائے زراعت کو ترقی دی جائے اور زمین کی پیداوار کو بڑھایا جائے[۴۴]

بعض ایسی زمینیں بھی تقسیم کی گئیں جن سے حاصل ہونے والی پیداوار کے ایک حصّہ سے مستقل یا عارضی طور پر مستفید ہونے کا حق دیا گیا مگر ملکیت کے حقوق نہیں ملتے تھے، اس قسم کے عطیہ کو "طعمۃ" کہا جاتا تھا[۴۵]

زرعی زمینوں کی بدولت مسلمانوں کی اقتصادی حالت بھی کافی حد تک بہتر ہوئی، بعض صحابہ زرعی جاگیروں اور کاروبار کے مالک بن گئے اور بعض نے جن میں سے اکثریت مہاجرین کی تھی تجارتی کاروبار میں مشغول ہو گئے[۴۶]

یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے بیک وقت زراعت و تجارت دونوں میں دلچسپی لی اور اس طرح مدنی اقتصاد و معیشت کے ارتقاء میں دوہرا حصّہ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں متمول حضرات زرِ نقد، اجناس اور اسباب کی شکل میں مختلف عطیات بھی ارسال کرتے[۴۷]

باہر سے آنے والے مہمانوں کو کبھی تو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا جاتا[۴۸] اور کبھی میزبانی کے لئے مختلف صحابہ کو متعیّن کر دیا جاتا اور پھر وہ مہمانوں کو اپنے گھر ٹھہرا لیتے[۴۹] بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی نہ صرف یہ کہ تواضع کرتے بلکہ ان کی واپسی کے وقت زادِ سفر اور وظائف کا بھی انتظام کر دیتے تھے[۵۰]

ہ۔ اجتماعی کفالت کے لیے بیت المال کا قیام عوام کی معاشی کفالت و معاونت قیامِ عدل، ادائیگی حقوق اور افلاس

کو مٹانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کی آمدنی کے کچھ ذرائع و وسائل ہوں۔ ریاستِ نبوی کو بھی ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست ہونے کی حیثیت سے نظم و نسق کے قیام اور اجتماعی کفالت کے لیے ذرائع آمدن کی ضرورت تھی اس مقصد کے لیے بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے لیے اولین آمدنی جو ریاستِ نبوی کو حاصل ہوئی وہ مالِ غنیمت سے تھی۔ جنگ بدر کے بعد از روئے حکم قرآنی آپ نے مالِ غنیمت میں سے ۴/۵ حصہ شرکاءِ جنگ میں تقسیم فرما دیتے اور ۱/۵ حصہ بیت المال کے لیے محفوظ رکھ دیتے[۵۱] جسے اصطلاحاً "خمس" کہتے ہیں۔ خمس کے مصارف قرآن حکیم نے متعین کر دیے ہیں[۵۲] یعنی اللہ کے لیے رسول کے لیے، قرابتداروں کے لیے، مساکین اور مسافروں کے لیے مختص ہے۔

گویا بیت المال قائم ہونے پر اس کی ابتدائی آمدن سے ہی غربا، مساکین اور نادار لوگوں کی امداد و تعاون کو مدنظر رکھ دیا گیا۔

ریاستِ نبوی کی آمدنی کا بڑا ذریعہ "فے" بھی تھا۔ اس سے مراد وہ مفتوحہ زمینیں تھیں جو بغیر جنگ اور فوج کشی کے براہِ راست ریاست کی ملکیت میں آتی تھیں[۵۳] بعض نے اس میں مالِ صلح اور جزیہ کو بھی شامل کیا ہے[۵۴] بنو قریظہ، بنو نضیر کی زمینیں اور باغات اور خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ کے آپ کے قبضہ میں آئے[۵۵] جن کا کچھ حصہ مہاجرین اور نادار انصار میں تقسیم کیا[۵۶] اور کچھ جہاد کی تیاری میں صرف ہوا[۵۷]

غیر مسلموں سے وصول کیا جانے والا محصول جسے "خراج" سے تعبیر کیا جاتا ہے ریاست کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ یہود کی مفتوحہ زمینوں کی پیداوار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف بطورِ خراج مقرر فرمایا[۵۸] یہ رقم جزیہ کی طرح مجاہدین کی تنخواہوں اور دیگر قومی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی اور سب سے پہلے اس میں ان کا حق رکھا جاتا تھا جو پہلے غلام رہ چکے تھے[۵۹]

اس کے علاوہ غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے بدلہ میں ایک محصول "جزیہ" کے نام سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ ریاستِ نبوی کی آمدن زکوٰۃ کی شکل میں بھی حاصل ہوتی تھی جو ہر مسلم، بالغ، خود کفیل اور صاحبِ نصاب پر ہر اس مال میں واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے بڑھایا جا سکتا ہو[۶۰] اس کی حقیقی غرض و غایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ تھی "تؤخذ من اغنیائھم فترد الیٰ فقرائھم"[۶۱] (زکوٰۃ مالداروں سے لی جائے اور ان کے ناداروں میں تقسیم کیجائے)

یہ زکوٰۃ نقدی (سونا، چاندی) پھل اور زرعی پیداوار، مویشی اور اسباب تجارت سے وصول کی جاتی تھی[۶۲]
قرآن کی رو سے زکوٰۃ فقراء، مساکین، عاملین صدقات، مؤلفۃ القلوب، رقاب، قرضداران فی سبیل اللہ اور مسافروں پر خرچ کی جاسکتی ہے[۶۳]

غرباء، مساکین اور محرومین کی کفالت کے بارے میں زکوٰۃ دنیا میں اسلام کی اولین سکیم ہے جسے عبادت بنا کر نافذ کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظام کو نافذ کر کے معاشی سطح پر انقلاب آفرین اصلاحات کیں جو تقسیم دولت میں توازن، حقوق و فرائض کے تحفظ، غربت و افلاس کے انسداد اور معاشرتی عدل کے قیام میں انتہائی مؤثر ذریعہ ثابت ہوئیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ بعض ایسے مذہبی محاصل تھے جو مسلمان اپنی خوشی سے ادا کرتے تھے ان میں لازمی (صدقہ فطر وغیرہ) اور نفلی دونوں طرح کے عطیات شامل تھے۔ قرآن کی رُو سے زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف یکساں ہیں۔ ریاستِ نبوی میں ان کی وصولی کا انتظام بھی زکوٰۃ کی طرح سرکاری طور پر ہوتا تھا[۶۴]
ریاستِ نبوی کے یہ ذرائع آمدن معاشرے کی ترقی و فلاح و بہبود کے لیے وقف تھے اور درحقیقت ان کو عہد نبوی میں اسے مؤثر طریقہ کے ساتھ استعمال کیا گیا کہ کوئی فرد اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ تھا حتیٰ کہ کسی فرد کو یہ محسوس تک نہ ہونے دیا کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔ آپ نے اعلان فرما دیا تھا کہ "جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے"[۶۵]

۱۔ معاشی خوشحالی و ترقی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد تدابیر

معاشرہ کی ذہنی و اخلاقی تربیت اور ایمان کی پختگی کے ذریعہ باہمی رضاکارانہ تعاون اور ہمدردی و احسان کا خوگر بنانے کے ساتھ ساتھ آپ نے معاشی خوشحالی کو کسی فرد یا جماعت تک محدود کرنے کے بجائے اجتماعی فلاح کے لیے تمام ضروری تدابیر اختیار کیں؛

مثلاً شخصی، گروہی یا قومی اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کی[۶۶] اکتساب رزق کے لیے سب کو یکساں اور زیادہ سے زیادہ مواقع کی فراہمی اور افراد کو شخصی ملکیت کا حق ضروری پابندیوں کے ساتھ دیا گیا[۶۷] معاشرہ میں معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے ایک جانب لوگوں کو بخل اور رہبانیت سے تو دوسری جانب اسراف اور فضول خرچی سے روکا گیا[۶۸]

ایک اہم اصول یہ مقرر کیا گیا کہ دولت زیادہ سے زیادہ گردش میں رہے اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کو بطورِ خاص حصّہ دیا جائے جو کسی وجہ سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں اور معاشی امداد و معاونت کے محتاج ہیں[۶۹]

معاشی خوشحالی اور فارغ البالی کے لیے آپؐ نے متعدد اقدامات کئے

(مثلاً بے روزگاری کے مسئلہ کو ختم کرنے کے لیے قانونِ وراثت کا اجراء کیا[۷۰] انسدادِ گداگری کے سلسلے میں آپؐ نے متنبہ کیا کہ بھیک مانگنے والا خدا کے سامنے اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی[۷۱]

ملک کی معدنی دولت اور بے کار زمینوں کو زیرِ استعمال لانے کے لیے بھی آپؐ کے بعض اقدامات قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً مختلف اشخاص کو کانیں اور جاگیریں عطا فرمائیں[۷۲] "موات" یا بنجر اراضی کو آباد کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ: "جو شخص کسی زمین کو آباد کرے اور وہ کسی کی مملوکہ نہ ہو تو آباد کار اس کا زیادہ حقدار ہے"[۷۳]

زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے آپؐ نے زمینیں کاشت کرنے کا حکم دیا اور خود بھی "جرف" میں کاشت فرمائی[۷۴]

صنعت و حرفت کو آپؐ نے پاک ترین روزی قرار دیا[۷۵] تجارت اور کاروبار کی ترغیب دیتے ہوئے آپؐ نے اسے بہترین ذریعۂ معاش قرار دیا[۷۶]

عوام کو مناسب شرح اور مناسب نرخوں پر اشیائے صرف کی فراہمی کے لیے آپؐ نے تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد کیا۔ بدعنوان تاجروں کو دین و دنیا کی وعید سنانے کے علاوہ آپ نے اچھے اور ایماندار تاجروں کو اخروی اجر کی بشارت بھی سنائی[۷۷] نیز اشیاء کی خرید و فروخت کے سلسلے میں آپؐ نے بات بات پر حلف اٹھانے، جھوٹی قسمیں کھانے، ناپ تول میں کمی کرنے اور اس قسم کی دیگر نازیبا حرکات کی سخت ممانعت کی[۷۸]

اس ترہیب و ترغیب کے ساتھ ساتھ آپؐ نے بعض عملی اقدامات بھی فرمائے مثلاً آپ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ فرماتے اور موقع پر ہی تحقیق و تفتیش فرما کر ضروری تنبیہ یا کاروائی عمل میں لاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ بازار تشریف لے گئے تو غلّہ کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر

دیکھا، غلہ اندر سے گیلا تھا آپؐ نے دکاندار سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا: بارش سے بھیگ گیا۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر اس کو اُوپر ہی کیوں نہیں رکھا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔ پھر فرمایا "جو لوگ دھوکہ فریب کریں وہ ہم سے نہیں"[۷۹]

آپؐ نے اشیاء کو محض اندازہ کے بجائے تول سے دینے اور وزن کرنے کی ہدایت کی[۸۰]

بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تاجروں کے بے جا تصرف سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب بھی مقرر کر رکھے تھے چنانچہ بعد فتح سُوقِ مکّہ کے نگران سعد بن سعید بن العاص اور سُوقِ مدینہ کے نگران و محتسب عمر بن الخطابؓ تھے[۸۱]

ان اقدامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوام کی معاشی فلاح و بہبود کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ آپؐ کی تعلیمات، فرمودات اور اقدامات کے ذریعہ تھوڑی ہی مدت میں بہت خوشگوار نتائج برآمد ہوئے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا۔

أ۔ سربراہ ریاست کا معیار زندگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوگانہ حیثیت کے حامل تھے۔ نبی برحق بھی اور ریاستِ مدینہ کے سربراہ بھی۔ آپؐ جس طرح کی زندگی چاہتے بسر کر سکتے تھے کسی کو یارائے دم زدن نہ تھا لیکن بادشاہوں اور حکمرانوں کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن، غذا، لباس اور طرز بود و باش ہر قسم کے عیش و تنعم سے پاک تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپؐ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا"[۸۲] اکثر غذا آپؐ کی جو کی روٹی ہوتی تھی[۸۳] کبھی کھجوروں پر گزارہ ہوتا، کبھی ستو کے ساتھ روٹی تناول فرماتے[۸۴]

لباس آپؐ کی تواضع، بے تکلفی اور سادگی کا حسین مظہر ہوتا۔ تہبند، قمیص اور عمامہ اکثر استعمال فرماتے۔ ایسا لباس پسند نہ فرمایا جس سے غرور، تکبّر یا بڑائی کا اظہار ہو[۸۵] آپؐ نے جو رہائشی کمرے تعمیر کرائے وہ کچی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے تھے ان پر کھجور کے پتوں اور تنوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔ کل اثاثہ لکڑی کا ایک پیالہ، چمڑے کا گدا، بان کی چارپائی اور ٹاٹ کا بستر تھا۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ آپؐ کی اسی حالت کو دیکھ کر عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! قیصر و

کسریٰ تو عیش کریں اور آپ کا یہ حال! آپ نے فرمایا: "اے ابن الخطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دنیا"[۴۶]

فلاحی ریاست کے تقاضے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

ریاست نبوی کے فلاحی پہلو پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ ایک فلاحی ریاست کا تصوّر کیا ہونا چاہیے؟ ریاست کی فلاح و بہبود کن اقدامات کی مقتضی ہے اور حقیقی معنوں میں اس کی تشکیل و تعمیر کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

دورِ حاضر کے مخصوص احوال و ظروف اور مختلف مسائل و مشکلات اور پیچیدگیوں کے پیش نظر ایک اسلامی ریاست پر عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اور وہ عہد حاضر کے مسائل و مشکلات کو دور کرنے میں کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے اس کا جائزہ تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ کفالتِ عامہ

فلاحی ریاست کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کی بنیادی ضروریات کی کفیل ہو۔

بنیادی ضروریات کا مفہوم اور ان کی تحدید

ہر وہ ضرورت بنیادی ضرورت کہلاتی ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہو۔

انسانی ضروریات اگرچہ بے شمار ہیں تاہم قرآن حکیم نے آدمؑ کی پیدائش کے وقت ہی ان کی کم از کم تحدید کا اعلان ان الفاظ میں فرما دیا تھا۔ "إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ"[۴۷] (بلاشبہ یہ تمہارا حق ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو اور نہ ننگے اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کی تپش اٹھاؤ) یعنی انسان کے کم از کم بنیادی حقوق و ضروریات چار ہیں۔ روٹی کپڑا، پانی اور مکان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ایک ارشاد میں انسان کی انہی بنیادی ضروریات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: "ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لیے[۱] ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے، کپڑا[۲] ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور[۳] کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو"[۴۸]

"خوراک" ان میں سے انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ جب تک پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملے ہمارے لیے اخلاقی اقدار، مذہبی روایات، دینی تقاضے، سیاسی ذمہ داریاں، علمی نظریات اور سائنسی افکار ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے، ایک خالی پیٹ انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ رب العالمین کی ہستی کہیں ہے بھی یا نہیں؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی اس نفسیاتی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھے، اسی لیے آپؐ نے فرمایا" فقر آدمی کو کفر کے قریب لا کھڑا کرتا ہے"۔[89]

اور آپؐ نے کفر اور فقر کو ایک ہی سیاق میں ذکر فرما کر دونوں سے پناہ مانگی:" اللھم انی اعوذ بک من الکفر والفقر"۔[90]

خوراک کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپؐ نے زیادہ سے زیادہ غذا حاصل کرنے کی تاکید کی اور ارشاد فرمایا:" زمین کی پنہائیوں میں رزق کو تلاش کرو"۔[91] لہٰذا خوراک کا انتظام اور ضرورت مندوں کو پیٹ بھر کر خوراک مہیا کرنا فلاحی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عمرؓ نے تیس تیس آدمیوں پر اس امر کا اندازہ لگانے کے لیے تجربہ بھی کیا تھا کہ ایک آدمی کو اپنی طاقت اور صحت قائم رکھنے کے لیے اوسطاً کتنی خوراک کی ضرورت ہے؟ چنانچہ ان تجربات کی بنا پر انھوں نے حکم دیا کہ ملک بھر میں ہر مرد، عورت کو بیت المال سے گیہوں کی ایک مخصوص مقدار ماہ بہ ماہ ضرور مل جایا کرے جو اس کے دو وقت کھانے کے لیے کافی ہو۔[92]

اسلامی نقطۂ نگاہ سے چونکہ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اس لیے اسلامی حکومت معاشی زندگی کے دائرہ میں اس بات کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے کہ اللہ کے کنبے کا کوئی فرد پیاسا، ننگا اور بے ٹھکانہ نہ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اربابِ امر کو محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کا ذمہ دار قرار دیا۔ ارشاد فرمایا: "جو سربراہِ مملکت ضرورت مندوں، فقیروں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کی ضروریات، فقر اور مسکنت پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے"۔[93] نیز فرمایا:" جس شخص کو اللہ نے حکمران بنایا اور اس نے شہریوں کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا"۔[94]

شریعت نے اسلامی ریاست کو تمام شہریوں کا ولی اور سرپرست بنایا ہے، اس کی سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"السلطان ولیّ من لا ولیّ لہٗ [95] (جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔) یہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ حکومت کی اس سرپرستی میں بنیادی ضروریات کے علاوہ بشرط گنجائش افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ریاست نبوی کے بیت المال میں کافی مال جمع ہونے لگا تو آپؐ نے یہ اعلان بھی فرما دیا کہ "جو مقروض وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمّہ ہو گی [96]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی حکومت کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انہیں اپنی وسیع ذمّہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافت راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔

بالخصوص کفالتِ عامہ کی ذمہ داریوں کے متعلق حضرت عمرؓ کا تصوّر اتنا بلند اس قدر وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ۔ "اگر اسلامی مملکت میں کوئی جانور بھی بھوکا مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لیے جوابدہ ہونا پڑے گا [97]"

نیز فرمایا کرتے "اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشتی بکری اس حال میں چھوڑ دی جائے کہ اسے (علاج کے طور پر) تیل کی مالش نہ کی جا سکے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا [98]"

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری میں دوا علاج کو بھی داخل سمجھتے تھے جو حکمران جانوروں کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو وہ انسانوں کے علاج کو بدرجۂ اولیٰ اپنی ذمہ داری میں داخل سمجھے گا۔

حضرت عمرؓ خود مدینہ میں اہلِ حاجت کا پتہ لگاتے اور ان کی حاجت روائی کا اہتمام کرنے کے لیے راتوں کو گشت پر نکلتے اور دورانِ گشت ضرورت معلوم ہونے پر فوراً انتظام کر دیتے [99]

کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک ہی محدود نہ سمجھی جاتی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کر رکھی تھی کہ ضرورت مند اہل ذمّہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کی جائے [100]

غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضروریات کے علاوہ بھی بعض اہم ضروریات ہیں جن میں سے ایک تعلیم ہے۔ ریاست نبوی شہریوں کی تعلیم اور انہیں لکھنا پڑھنا سکھانے کا اہتمام بھی کرتی تھی۔

بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا یہ فدیہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے[۱۰۱] نیز حضرت سعد بن العاص کو آپ نے مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھانے پر مامور کیا تھا[۱۰۲] صفہ کی اسلامی درس گاہ میں شریک ہونے والے قرآن و تعلیماتِ دین کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے[۱۰۳] حضرت عمرؓ نے بچوں کی تعلیم کے لیے باقاعدہ معلم مقرر کئے تھے جنہیں بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی[۱۰۴]

بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کے لیے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی۔ خود قرآن میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ معاشرے میں جو لوگ مجرد ہوں ان کے نکاح کا اہتمام کیا جائے[۱۰۵]

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلامی نظامِ کفالت کے تحت تمام افراد کو زندگی کی اساسی ضروریات مہیا کی جاتی ہیں اور کوئی فرد کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ بقول اقبال ؎

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس

نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

کفالتِ عامہ کے مقصد کی تکمیل کے لیے اسلامی ریاست کو درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۔ حکومت ہر قسم کے وسائل (بالخصوص ذرائع ابلاغ) کے ذریعہ اغنیاء کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دے اور غربت و افلاس کے خاتمہ کے لیے ان کی ذمہ داریوں کا انہیں احساس دلائے تاکہ وہ برضا و رغبت عوام کی خوشحالی اور ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

۲۔ بنیادی ضروریات بالخصوص خوراک اور رہائش کا انتظام کرے۔ بے گھر افراد کو رہائش کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق مکانات تعمیر کر کے دے یا رہائش کے لیے مفت پلاٹ مہیا کرے (جیسا کہ عہدِ نبوی میں مختلف حضرات کو اس قسم کے قطعات دیے گئے) اور تعمیر کے لیے قرضہ حسنہ کی سہولت فراہم کرے۔

۳۔ ایسا انتظام کیا جائے کہ عوام عام معاشی سطح کے مطابق ضروری طبی خدمات اور دوائیں مفت حاصل کر سکیں۔

۴۔ کم از کم اتنی تعلیم کا انتظام لازماً کیا جائے کہ ہر فرد لکھنا اور پڑھنا سیکھ لے اور ہر فرد کم از کم ناظرہ قرآن حکیم، اسلام کی بنیادی تعلیمات، عبادات اور عام معاملاتِ زندگی میں اسلامی حدود سے آگاہ

ہو سکے، اس سلسلے میں حکومت یکساں نظامِ تعلیم وضع کرے اور مفت تعلیمی سہولتیں فراہم کرے۔

وظائف اور تنخواہوں کی ادائیگی

ابتدائے اسلام میں عاملوں، سرکاری عہدیداروں اور مختلف انتظامی خدمات انجام دینے والوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوحات اور مالِ غنیمت وغیرہ سے جتنا ان کا حصّہ ہوتا انہیں مل جاتا اور یہی ان کی تنخواہ سمجھی جاتی تھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض افراد کی مالی مدد فرما دیتے تھے۔ محدّث ابو داؤد کا خیال ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جو کہ مدینہ کے مصدّق تھے ان کی خدمات کے عوض کچھ تنخواہ یا معاوضہ ملتا تھا[۱۰۶]

عمال اور مقامی منتظمین کے سلسلہ میں ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جوائز (انعامات) عطا فرماتے تھے غالباً یہ انعامات ان کی خدمت کے عوضانہ تھے[۱۰۷] عمال کو اپنی خدمات کا معاوضہ خود لینے کا اختیار بھی آپؐ کی طرف سے حاصل تھا اس سلسلے میں آپ کی طرف سے ہدایت تھی کہ "جو شخص عامل ہو وہ اپنی خدمات کا معاوضہ خود لینے کا اختیار بھی آپؐ کی طرف سے رکھتا تھا اس سلسلے میں آپ کی طرف سے ہدایت تھی کہ" جو شخص عامل ہو وہ اپنی بیوی کا خرچ بھی لے سکتا ہے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر رکھ سکتا ہے۔ اگر مکان نہ ہو تو گھر بنا سکتا ہے۔ مگر جو کوئی اپنی ضروریات سے زیادہ لے تو وہ غبن کا مرتکب ہوگا[۱۰۸]

بہر حال مآخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کسی عامل کی تنخواہ یا خود عطا فرماتے تھے یا خود عاملین کو اختیار ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت کے موافق رقم خود اس جمع شدہ مال سے لے لیں۔

مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے وظائف اور تنخواہوں کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عمل میں لایا گیا[۱۰۹] لہٰذا اسلامی مملکت کے وہ افراد جو حکومت کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں اور اپنی ذہنی جسمانی اور عملی قوتوں اور صلاحیتوں کو ملک وملت کی فلاح و بہبود میں صرف کرتے ہیں حکومت وظائف کی شکل میں ان کی اور ان کے اہل وعیال کی براہِ راست کفالت کی ذمہ دار ہے۔ البتہ ان وظائف کی تعیین میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ وظائف اور تنخواہوں کی مقدار اتنی ضرور ہو کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی بخوبی کفالت ہو سکے (از روئے حدیث مذکور) تاکہ ان کو مجبوراً خیانت اور رشوت وغیرہ کی جانب مائل نہ ہونا پڑے۔

۲۔ وظائف میں تقریبی یکسانیت ہو۔ زیادہ تفاوت نہ ہو کہ ایک دس ہزار پا رہا ہو اور دوسرا ایک

ہزار تاکہ ان میں حسد، بغض اور رقابت وغیرہ کے جذبات نہ ابھر سکیں۔
۳۔ وظائف اور تنخواہیں ان کی محنت، صلاحیت اور استعداد کے بقدر متعین کی جائیں۔

امام ابو عبید فرماتے ہیں" اور ان عمال، حکام اور ولاۃ المسلمین کو بیت المال سے وظیفہ ان کی سعی اور کام کی محنت کے پیش نظر ملنا چاہیے"[۱۱۰]

اور جو افراد ریاست و حکومت کی خدمات کے قابل نہ ہوں مثلاً مریض، معذور یا معاشی وسائل سے قطعاً محروم ہوں مثلاً یتامیٰ، بیوائیں، فقراء و مساکین تو ان کا بارِ کفالت بھی حکومت کے کاندھوں پر ہے کہ ان کے وظائف مقرر کرکے حکومت ان کا حقِ معیشت ادا کرے تاکہ اسلامی ریاست کا کوئی فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے۔

ب۔ معاشی ترقی کا اہتمام

غربت و افلاس کے خاتمہ اور کفالت عامہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ایک فلاحی ریاست دفاع، صحت، تعلیم اور اس طرح کی دیگر اجتماعی نوعیت رکھنے والی ضروریات کی تکمیل اور تمدنی ترقی کا خاطر خواہ انتظام کرتی ہے تاکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ترقی خوشحالی ممکن ہو سکے۔

قرآن حکیم کی آیت" ھو الذی انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا"[۱۱۱] کی تفسیر میں جصاص لکھتے ہیں:

"یعنی تم کو حسب ضرورت اس کے آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کو زراعت، باغبانی اور تعمیر مکانات کے لیے درست کرنا واجب ہے"[۱۱۲] ملک کی خوشحالی کا اہتمام حق تعالیٰ کو کس قدر مطلوب ہے اس کا اندازہ بقول امام سرخسیؒ آنحضرتؐ کے اثر سے ہوتا ہے جس میں وہ اپنے پروردگار کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ" (انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو اس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی"[۱۱۳] بعض روایات سے تائید ہوتی ہے آنحضرتؐ رعایا کی خوشحالی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے[۱۱۴] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی معاشی ترقی و فلاح کس قدر مطلوب تھی اس کا اندازہ اس دعا سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔" اللھم انھم حفاۃ فاحملھم۔ اللھم انھم عراۃ فاکسھم۔ اللھم انھم جیاعٌ فاشبعھم"[۱۱۵] (اے اللہ! یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا کر۔ اے اللہ! یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا دے۔ اے اللہ! یہ لوگ

بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے)۔

عہد خلافت راشدہ بالخصوص حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں ملک کی خوشحالی اور ترقی کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے سڑکیں، نہریں اور بند تعمیر کیے گئے اور مختلف شہر بسائے گئے[۱۱۶] بلکہ حضرت عمرؓ نے تو مناصب حکومت پر تقرری کے لیے یہ شرط رکھ دی تھی کہ ایسے لوگوں کا تقرر کیا جائے جنہیں رعایا کی معاشی خوشحالی کی فکر ہو[۱۱۷]

مذکورہ تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ایک اسلامی ریاست رعایا کی خوشحالی کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کرتی ہے ان تدابیر میں ذرائع نقل وحمل اور رسل و رسائل کی ترقی، علاج، تعلیم اور تفریحی سہولتوں کی فراہمی اور رفاہ عامہ کے کام شامل ہیں۔

ج۔ وسائل معیشت کی ترقی و توسیع

عوام کی خوشحالی اور ترقی کے لیے اور ریاست و حکومت کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے معیشت کے وسائل کو ترقی اور توسیع دینا انتہائی ضروری ہے۔

معیشت کے وسائل میں زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کو بہت اہمیت حاصل ہے بلکہ تمام معیشت کی ترقی کا مدار ان تین چیزوں پر ہے آنحضرتؐ نے ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے ان پر خصوصی توجہ دی خاص خاص اصلاحات فرمائیں اور ان کے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی۔ خلافت راشدہ اور بعد کی اسلامی حکومتوں میں ان ذرائع کی ترقی کی طرف خاص توجہ دی گئی۔

۱۔ زراعت

کسی قوم کی خوشحالی کا راز اس کی زرعی ترقی میں پوشیدہ ہے اس لیے کہ ہماری روزمرہ غذا زراعت اور باغبانی ہی کی مرہون منت ہے۔ آنحضرتؐ نے اسے افضل ذریعہ معاش قرار دیا ہے کیونکہ اس سے انسان ہی نہیں زمین پر چلنے والے جانور اور فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندے بھی فائدہ اٹھاتے اور رزق پاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند، اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ (اجر و ثواب کا باعث) بنتا ہے[۱۱۸] آپؐ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ "رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو"[۱۱۹] خود آپؐ نے مقام حبف میں کاشت فرمائی[۱۲۰] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا کہ "جس قوم کے گھروں میں یہ

آلات داخل ہو جائیں تو ان گھروں میں اللہ ذلت کو داخل فرما دیتے ہیں"[۱۲۱] کیونکہ گھروں میں بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو کر پوری قوم بدحالی کا شکار ہوگی اور ذلیل ہو جائے گی جب کہ آلات زراعت کو گھروں سے باہر مصروف بکار رکھنے سے قوم معاشی خوشحالی سے ہم کنار ہو کر عزت پائے گی۔

زراعت کی ترقی کے لیے درج اقدامات بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے۔ اور انہیں کاشتکاروں میں مفت تقسیم کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کی ملکیت ہے"[۱۲۲] آپؐ نے اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی "احیاءِ اموات" کے لیے مختلف "قطائع" لوگوں میں تقسیم کیے[۱۲۳] اور اذن عام دیا گیا کہ جو شخص ایسی بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اسی کی ملک ہو جائے گی[۱۲۴] اور اگر کسی نے قبضہ سے تین سال تک اسے مزروعہ نہ بنایا یا آباد نہ کیا تو اس کے قبضہ سے نکال لی جائے گی[۱۲۵] اس فرمان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس طرح قلمرو خلافت کی تمام زمینیں مزروعہ اور آباد ہو کر ملک و قوم کی ترقی کا باعث بنیں۔

۲۔ نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ اس لیے کہ زراعت میں پانی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام نے اس کی افادیت کو عام بنانے کے لیے ایسے تالاب، کھیت، جوہڑ، کنوئیں اور چشمے جو شخصی ملکیت نہ ہوں ان میں تمام پبلک کا یکساں حقِ انتفاع رکھا ہے[۱۲۵] اور شخصی ملکیت ہونے کی صورت میں بھی پینے اور استعمال کرنے کے لیے دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے البتہ آبپاشی کے مقاصد کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے۔[۱۲۶]

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں متعدد نہریں تعمیر کی گئیں، بند باندھے گئے[۱۲۷] جس سے زراعت کو خوب ترقی ہوئی۔

۳۔ زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لیے قرضے دیے جائیں۔ بوقت ضرورت آلاتِ زراعت اور بیجوں کی فراہمی کا انتظام کیا جائے۔ لگان وغیرہ وصول کرنے میں نرمی سے کام لیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیت المال سے کاشتکاروں کو زرعی اغراض کے لیے قرض دینے کا حکم دیا تھا[۱۲۸] اسی طرح بوقت ضرورت آلاتِ

زراعت اور بیجوں کی بھی فراہمی بھی حکومت کی طرف سے کی گئی[۱۲۹] لگان کی تخفیف کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے " پس ہم ان کی طاقت سے زیادہ لگان نہیں مقرر کریں گے اور نہ ان کی اراضی کی حیثیت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالیں گے "۔ اسی طرح مختلف حادثات یا خشک سالی کی صورت میں لگان معاف کرنے کا حکم دیا[۱۳۰]

۲۔ صنعت و حرفت

حضارت و تمدن کی ترقی اور وسائل معاش میں صنعت و حرفت کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پاکیزہ ترین معاش کا ذریعہ قرار دیا[۱۳۱] اور فرمایا کہ " اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں "[۱۳۲] آپ کی تعلیمات میں ہر وہ عمل پسندیدہ ہے جو شخصی مفاد سے لے کر ملکی مفاد تک کی پیداوار کا جائز اور صحیح ذریعہ ہو اسی لیے ارشاد فرمایا " اللہ اس مسلمان کو پسند فرماتا ہے جو صنعت و حرفت کرتا کماتا ہے "[۱۳۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات کے نتیجہ میں مسلمانوں نے اس اہم شعبہ کی طرف کافی توجہ دی۔ انصارِ مدینہ نے صنعت و حرفت کا کام یہود سے سیکھا تھا جن کے مدینہ میں صنعتی کارخانے تھے۔ یہود نے ان کو کپڑا بننا، رنگ سازی، تلواریں، زرہ اور دیگر آلاتِ جنگ نیز کاشتکاری کے آلات بنانا سکھایا[۱۳۴] مدینہ کے مقام سنح میں صدیق اکبرؓ کا ایک کارخانہ تھا[۱۳۵] دورِ حاضر میں صنعتی ترقی اس لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا مدار صنعتی ترقی پر ہے اور جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام دارالاسلام کی طاقت اور دفاعی قوت و استحکام کے لیے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے[۱۳۶]

۳۔ تجارت

اقتصادی فلاح و بہبود میں تجارت کو بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ انفرادی و اجتماعی ترقی اور خوشحالی کے لیے اس اہم شعبہ کی ترقی و توسیع انتہائی ضروری ہے قرآن حکیم نے کئی جگہ اس کی طرف توجہ دلائی[۱۳۷] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فروغ دیا اور ترغیب دی[۱۳۸] ایک موقع پر ارشاد فرمایا " سچے اور امانتدار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا "[۱۳۹] نیز فرمایا " جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے "[۱۴۰]

اسلام کی ان ترغیبات کے پیشِ نظر صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ

اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس شعبہ میں خاصی دلچسپی لیتے ہوئے فروغ دیا[۱۴۱] عہد نبوی میں ایسے تجارتی کاروانوں کا ثبوت بھی ملتا ہے جو شام وغیرہ کی طرف تجارت کی غرض سے بھیجے جاتے تھے[۱۴۲] تجارت کی ترقی کے لیے بیت المال سے تجارتی اغراض کے لیے قرض دینے کی بھی مثالیں ملتی ہیں[۱۴۳] اگرچہ یہ قرضے ریاست کے حق میں نفع بخش کاروبار کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن ان کے ذریعہ ملک میں پیداوار اور کاروبار کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور قومی آمدنی بڑھتی ہے۔

(اسلام نے تجارت کے فروغ اور تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے کیا اصلاحات کیں ان کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا)۔

دورِ جدید کے حالات وضرورت کے مطابق اسلامی ریاست کو ملک کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ ذرائع نقل وحمل کی توسیع، زراعت اور صنعت وحرفت کی ترقی کے لیے موزوں اقدامات، معدنی وسائل کی ترقی نہروں، سڑکوں اور ریلوں وغیرہ کی تعمیر کا اہتمام اور تجارت کا فروغ ملکی معیشت کی ترقی، بیروزگاری کے انسداد اور عوام کی فلاح کے لیے اشد ضروری ہیں۔

د۔ اشیاء ضرورت کی ارزاں نرخوں پر فراہمی فلاحی ریاست ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ عوام کو اشیاء ضرورت ارزاں نرخوں پر دستیاب ہوں۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے تھے اور جب انہیں خبر ملتی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے[۱۴۴]

گرانی کے عوامل کا سدّباب اشیاء صرف کی ارزاں نرخوں پر فراہمی تب ہی ممکن ہے جب کہ گرانی کے عوامل کی روک تھام کی جائے اسلام ان عوامل کی نشاندہی کرتے ہوئے ان پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔

۱۔ اتلاف مال وہ اشیاء جو زیادہ دیر تک محفوظ رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں انہیں سرمایہ دار تاجر رسد گھٹانے کی خاطر ضائع کر دیتے ہیں تاکہ قیمتوں میں مصنوعی گرانی پیدا کرکے نفع کی شرح میں اضافہ کیا جا سکے۔ اسلام محض قیمت میں اضافہ کے لیے خدا کی عطا کردہ نعمتوں کے اتلاف سے منع کرتا ہے اس لیے کہ اس کی نظر میں مال ودولت انسانی زندگی کا سہارا ہے اور اس کا

ضیاع پوری انسانیت کی حق تلفی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے منع فرمایا ہے: قیل وقال، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا"[۱۴۵]

۲۔ احتکار (Hoarding) گرانی کا ایک اہم سبب احتکارِ مال ہے۔ قدرتی عوامل کے تحت کسی شے کی رسد میں کمی ہونے اور اس کے سبب سے اس کی قیمت بڑھ جانے پر خود غرض تاجر اور صنعتکار قیمتوں کو مزید بڑھانے اور من مانا نفع کمانے کے لیے مال کو منڈی سے اٹھا کر گوداموں میں ذخیرہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح مال کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اسے من مانی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ اس کا ایک ضرر رساں پہلو یہ بھی ہے کہ ذخیرہ شدہ اشیاء کھلی مارکیٹ میں آنے کے بجائے چور بازاری کے ذریعہ کئی گنا زائد قیمت پر فروخت ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ احتکار خواہ عام حالات میں محض نفع اندوزی کی خاطر ہو خواہ قدرتی قلت رسد کے زمانہ میں گرانی کو شدید سے شدید تر بنانا اور موقع سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو، اسلام دونوں صورتوں میں اسے سخت ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جو مسلمانوں کے لیے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے اور اللہ اس سے بری ہے"[۱۴۶]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوزوں کو خطا کار، گنہگار اور ملعون قرار دیا ہے۔ "لا یحتکر الا خاطئ ومن احتکر فھو خاطی"[۱۴۷] "الجالب مرزوق" والمحتکر ملعون"[۱۴۸]

۳۔ تبخیس اشیاء بعض اوقات کاروباری افراد جب دیکھتے ہیں کہ ان کی اشیاء خاطر خواہ نفع نہیں کما رہیں اور اگر ان کی قیمت بڑھا دی جائے تو طلب کم ہو جائے گی تو وہ زیادہ نفع اندوزی کی خاطر ان اشیاء کا معیار گرا دیتے ہیں کبھی کم درجہ کا خام مواد استعمال کر کے اور کبھی مقدار کم کر کے۔ اس طرح بے چارے خریدار عوام قیمت پوری دیتے ہیں اور انہیں چیز مقدار یا معیار میں پہلے سے کم ملتی ہے۔ اسلام کاروباری افراد کے اس عمل کو فساد سے تعبیر کرتا ہے۔ "ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین"[۱۴۹] (اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو)۔ تبخیس کے وسیع اور جامع مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ خریداروں سے قیمت تو پوری وصول کی جائے اور اس کے بدلے میں چیز وہ دی جائے جس کے معیار یا مقدار میں تخفیف کر دی گئی ہے۔

اسلام فرد کو اپنی ملکیت میں کسی ایسے تصرف کی اجازت نہیں دیتا جس سے دوسرے افراد یا بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو نقصان پہنچے۔ ارشاد نبوی ہے "جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے گا اللہ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی کو تکلیف دے گا اللہ اسے تکلیف میں مبتلا کرے گا۔"[۱۵۰]

نیز اس میں گھٹیا مال کو بظاہر بلند معیار بنا کر بیچنے لانے کے لیے غلط اور مبالغہ آمیز اشتہار بازی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی عیب دار مال کو اچھا بنا کر فروخت کرنے کی کوشش کرنا اور پورے دام وصول کرنا اور از روئے حدیث عیب دار چیز کو اس کے عیب سے آگاہ کیے بغیر فروخت کرنا ممنوع ہے۔[۱۵۱]

۴۔ اجارہ داری

بعض اوقات زیادہ نفع کمانے کی حرص میں کاروباری حضرات مل کر بازار کی قیمتوں پر غیر معمولی قابو حاصل کر لیتے ہیں یا اس طرح نفع سے کہ باہمی معاہدہ کے نتیجہ میں مخصوص اشیاء کا کاروبار چند مخصوص ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کبھی مسابقت (COMPETITION) کے ذریعہ حریفوں کو شکست دے کر کاروبار چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اس طرح ملک کا بیشتر کاروبار چند بڑے اجارہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ آتا ہے جس کے نتیجہ میں خود غرض اجارہ دار ملکی معیشت کے سیاہ و سپید کے مالک بن کر من مانے انداز میں اشیاء کی قیمتوں کو گراں سے گراں تر کر کے زیادہ سے زیادہ نفع وصول کرتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں ہر وہ معاہدہ جس کی بنیاد ظلم پر ہو باطل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے دور کے حالات اور معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر بعض کاروباری سرگرمیوں پر پابندی عائد کی تھی۔ مثلاً "تلقی جلب" اور "بیع الحاضر للبادی" کی ممانعت بھی اسی بنا پر ہے کہ ہوشیار تاجر مدینہ سے باہر جا کر دیہات سے آنے والے مال تجارت کو یک جا خرید لیتے اور اسے شہر میں لا کر شہر کے نرخ پر فروخت کر دیتے تھے۔ دیہاتی شہر کے نرخ سے ناواقفیت کی بنا پر مال سستے داموں ان تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ اگرچہ یہ معاملہ فریقین کی باہمی رضامندی سے سرانجام پاتا لیکن اگر دیہات والوں کو شہر میں مال لا کر فروخت کرنے دیا جاتا تو شہر والوں کو یہ چیزیں نسبتاً ارزاں ملتیں اور دیہات والے بھی نسبتاً زیادہ دام پاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے "تلقی جلب" کی ممانعت کر کے درمیانی تاجروں کو نفع اندوزی سے روک دیا۔ کیونکہ مدینہ والوں کا یہ عمل ان کو اجارہ داری کے مواقع مہیا کرتا تھا اور

اجتماعی مفاد کے لیے باعث نقصان تھا۔ اسی مصلحت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے افراد کو دیہات والوں کا ایجنٹ بن کر ان کا مال فروخت کرنے (بیع الحاضر للبادی) سے منع فرمایا[152]

۵۔ سٹہ بازی

بازار کی ہوشربا گرانی کا ایک بڑا سبب سٹے کی اندھی تجارت ہے۔ اس میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ جو مال موجود نہیں ہوتا بلکہ اس کی آمد کی توقع ہوتی ہے ابھی بازار میں پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ اس پر بیسیوں سودے ہو جاتے ہیں اور جب مال عوام کی دسترس میں آتا ہے تو اس کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ طریق کار بالکل غلط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز پر قبضہ کرنے سے قبل اسے آگے بیچنے کو ممنوع قرار دیا ہے[153]

کاروباری امور کی نگرانی کے سدّباب کے لیے تجاویز

کاروباری معاملات میں بدعنوانیوں کا انسداد اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ آنحضرتؐ بعض اوقات نگرانی کی غرض سے بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کرتے تھے[154] نیز آپ نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی اور کاروباری افراد کو اسلامی حدود کا پابند رکھنے کے لیے ایک خصوصی افسر مقرر کیا تھا[155] خلفاء بھی اس اہم مسئلہ کی خاص نگرانی فرمایا کرتے تھے[156]

گرانی کے سدباب کے لیے اسلامی ریاست کو درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۔ کاروباری معاملات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے لیے دیندار اور دیانتدار افراد پر مشتمل "حسبہ" کا ادارہ عمل میں لایا جائے یہ ادارہ ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیوں کا ازالہ کرے مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتکب افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

۲۔ اگر گرانی قدرتی عوامل کے بجائے احتکار وغیرہ مصنوعی عوامل کے سبب ہو اور ذخیروں کی دریافت اور انہیں بازار میں لانے کے لیے راست اقدام دشوار یا مصالح کے خلاف ہو تو اسلامی ریاست تسعیر (PRICE CONTROL) جیسے اقدامات کے ذریعہ اشیاء کے نرخ خود متعین کرے اور تاجروں کو معینہ قیمت پر مال فروخت کرنے پر مجبور کرے۔

۳۔ سٹہ کو ممنوع قرار دیا جائے تاکہ وہ سارا اور درمیانی منافع جو سٹہ بازی پیشگی سودوں میں

لوٹ لیتے ہیں، اس سے عوام مستفید ہو سکیں۔

۴۔ ہر قسم کی باہمی معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعہ بڑے صنعتکار اور تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیا کی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں ہو پاتے۔

۵۔ زرعی پیداوار کی فروخت کے سلسلے میں آڑھتیوں اور دلالوں کے درمیانی وسائط ختم کر دیے جائیں اور کسانوں کی امداد باہمی کی انجمنیں فروخت کا کام انجام دیں تاکہ ایک طرف کسانوں کو اپنی محنت کا مناسب صلہ مل سکے اور دوسری طرف آڑھتیوں کے بیچ میں ہٹ جانے سے بازار میں ارزانی آسکے۔

۵۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام

اسلامی ریاست اس بات کا خصوصی اہتمام کرتی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کا ایک ایسا فطری اور قابل عمل طریقہ کار نافذ کیا جائے کہ جس کے تحت ہر شخص اپنے کسب و عمل سے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنا جائز اور مناسب حق حاصل کر سکے قرآن نے اس کے لیے معاشرے کے مختلف طبقات کی ایسی درجہ بندی کی ہے جس کے تحت عدل اجتماعی اور استحقاق کی بنیاد پر دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آتی ہے اور معیشت کو فروغ ملتا ہے[۱۵۷]

اس منصفانہ تقسیم کے تحت دولت کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ وہ اجتماعی مفاد اور اجتماعی عدل کے عملی مقاصد پورے کرنے کے لیے "کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم"[۱۵۸] کی روشنی میں برابر افراد معاشرہ میں گردش کرتی رہتی ہے اس اصول کی روشنی میں ایک اسلامی حکومت کی بنیادی معاشی پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ دولت ذخیرہ بن کر چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر گردش کرے تاکہ امیر و غریب کا تفاوت جس حد تک فطری طور پر ممکن ہو کم ہو سکے۔

اسلام نے اس مقصد کے لیے ایک طرف تو ان راستوں کو مسدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقے کی طرف مڑ جائے مثلاً سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکٹنگ، رشوت وغیرہ۔ تو دوسری طرف دولت کو برابر گردش میں رکھنے اور معاشرے کو زر پرستی کے نتیجہ میں ہونے والے حرص و طمع، ظلم و استحصال

وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے متعدد ایجابی طریقے بھی متعین کیے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی اور تقسیم میراث وغیرہ۔

اسلامی ریاست اگر ان احکامات و قوانین کو عملاً نافذ کرے بالخصوص سودی نظام کو ختم کرے اور نظام زکوٰۃ کو حقیقی معنوں میں نافذ کر دے تو تقسیم دولت کے اندر پائی جانے والی ناہمواری کافی حد تک ختم ہو سکتی ہے۔

۱۔ سودی نظام کا خاتمہ معاشرے میں ارتکاز دولت کا سب سے بڑا سبب سود ہے قرآن نے اسے ہر شکل اور ہر حال میں حرام قرار دیا ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب، ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر حتیٰ کہ قرآن نے اسے خدا اور رسول کے مقابلہ میں کھلم کھلا اعلان جنگ قرار دیا ہے[۱۵۹]

آج خدا اور اس کے رسول کی علی الاعلان خلاف ورزی کرتے ہوئے سودی کاروبار کے ذریعہ دولت چند گھرانوں اور خاص طبقوں میں سمٹ رہی ہے جس کے نتیجہ میں عوام کی قوت خرید گھٹتی جا رہی ہے اور ان کی معاشی زندگی کساد بازاری اور غربت و بدحالی سے دوچار ہو رہی ہے جو بالآخر پورے معاشرے کی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔

اسلامی حکومت معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کرے۔

۱۔ سود کے خاتمہ کے لیے اسلامی حکومت کا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ پہلے وہ اپنے ملک کے اندرونی معاملات کو اسلام کے مطابق بنانے کے لیے سود کو ختم کرے۔ پورے عالم اسلام کے لیے ایک بہترین نمونہ قائم کرے تمام اسلامی ممالک کو اس کی تقلید کی دعوت دے اور اپنے بیشتر تجارتی تعلقات اسلامی ممالک سے قائم کرنے کی کوشش کرے جن کا غیر سودی بنیادوں پر قائم ہونا نسبتہً آسان ہوگا۔ پھر جہاں غیر مسلم ممالک کے ساتھ تجارتی معاملات ناگزیر ہوں وہاں اس بات کی کوشش کی جائے کہ یہ معاملات تبادلہ اشیاء (BARTER SYSTEM) کی بنیاد پر ہوں اور اگر کہیں سود کے سلسلے میں غیر مسلموں کی شرائط تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہو تو بہر حال سخت مجبوری کے حالات میں "حالت اضطرار" کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

۲۔ بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کو سود اور قمار کی لعنت سے پاک کر کے شرکت اور مضاربت کے

اصولوں پر چلایا جائے تاکہ عوام کی جمع شدہ رقموں کا منافع صرف چند سرمایہ دار نہ اٹھائیں بلکہ وہ پوری قوم میں متناسب طریقے سے تقسیم ہو۔

۲۔ نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ

اسلام نے ادائے زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر صاحب ثروت اور نادار انسانوں کے درمیان ایسا صحیح توازن قائم کر دیا ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت جماعت اس فرض کو پورا کریں تو ایک جانب ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہو جائے اور دوسری طرف فقراء و مساکین کا وجود باقی نہ رہے۔

کوئی مملکت اسلامی مملکت کہلانے کی مستحق نہیں اگر وہ زکوٰۃ کے احکام سے بے اعتنائی برتتی ہے کیونکہ اسلام کی رو سے مملکت کا مقصد بجز اجتماعی فلاح و بہبود کے اور کچھ نہیں اور اجتماعی فلاح بغیر زکوٰۃ کے ناممکن ہے۔

تمام فقہاء و ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ جس میں عشر بھی شامل ہے کہ وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی سطح پر ہر قسم کی زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ اور رائج فرمایا اور اس کے نصاب اور شرح وغیرہ سے متعلق جزئی تفصیلات تک خود مہیا فرمائیں۔[۱۹]

موجودہ حالات میں ضرورت ہے کہ اسلامی ریاست نظام زکوٰۃ کو محکم بنیادوں پر استوار کرے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم پر کڑی نگاہ رکھے اور افراد امت پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے اجتماعی نظام زکوٰۃ کو قائم رکھ کر حکومت کی مدد کریں۔

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر محاصل

شرعی محاصل (زکوٰۃ عشر وغیرہ) کی آمدن کے علاوہ اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں پر مزید محاصل عائد کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے جب کہ شرعی محاصل کی آمدن ریاست کے بنیادی فرائض مثلاً دفاع، جہاد، تعلیم، دعوت، قیام عدل، کفالت عامہ اور ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لیے ناکافی ہو یا معاشرے کے اندر تقسیم دولت میں ناہمواری اور عدم توازن ہو۔ حالات اور زمانے کے مطابق دیگر سیاسی اور سماجی مصالح کے تحفظ کے لیے بھی محاصل عائد کیے جا سکتے ہیں۔ ان محاصل کی مقدار اجتماعی ضرورت کے مطابق متعین کی جائے گی۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ "بشرط ضرورت زکوٰۃ کے علاوہ مزید محاصل عائد کرنے کے مسئلہ پر علماء اسلام

متفق ہیں[۱۶۱] ابن حزم اور شاطبی نے ان کی ضرورت و اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[۱۶۲] ان محاصل کے عائد کرنے کے لیے علماء نے درجہ ذیل اصول ذکر کیے ہیں :

۱ - لوگوں کی ضرورت سے زائد ٹیکس نہ لگایا جائے ۔

۲ - ایسا ٹیکس نہ لگایا جائے جو ٹیکس دہندہ کے لیے بظاہر ناقابل برداشت ہو ۔

۳ - جو محاصل وصول کیے جائیں ان کے خرچ کرنے میں اسراف اور بددیانتی نہ کی جائے[۱۶۳]

و - سادگی اور کفایت شعاری کا اہتمام

انفرادی اور اجتماعی ترقی و خوشحالی کے لیے سادہ اور نمود و نمائش سے پاک رہن سہن انتہائی ضروری ہے ۔ خصوصاً غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام کے لیے ۔ جس قوم میں تکلفات جگہ پا جائیں وہ معاشی طور پر کبھی مستحکم نہیں ہو سکتی ۔ تکلفات معاشرے کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں اور قوم اس قابل نہیں رہتی کہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے ۔ اپنی مدد کر سکے اور پھر دوسروں کی مدد کے قابل ہو سکے ۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے[۱۶۴] اور فضول مال اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے[۱۶۵] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ریاست مدینہ کے سربراہ تھے کی زندگی سادگی و خاکساری کا حسین نمونہ تھی (جیسا کہ سابقہ اوراق میں تفصیل گزر چکی ہے) آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی نمونہ کی پیروی کی ۔ وفات کے وقت حضرت ابوبکرؓ کا ترکہ ایک غلام اور ایک اونٹنی تھی[۱۶۶] حضرت عمرؓ ایک وسیع اسلامی مملکت کے حکمران ہونے کے باوجود پھٹے پرانے پیوند شدہ کپڑے استعمال کرتے ۔ حضرت علیؓ کی احتیاط پسندی کا یہ عالم تھا کہ پورے عہد خلافت میں نہ کوئی نیا کپڑا اپنے لیے بنوایا نہ پہنا[۱۶۷]

اگر اسراف و تبذیر کا سلسلہ بند کر کے سربراہ حکومت سے لے کر نیچے تک کا پورا عملہ، تمام افسران و ملازمین سادگی اور کفایت شعاری کو اپنا شعار بنا لیں اور دیانتداری سے کام کریں تو قومی خزانے پر بھی بوجھ کم ہو جائے اور عوام بھی خوشحال ہو جائیں ۔

موجودہ حالات میں جب کہ غیر ملکی قرضوں کی لعنت ملکی معیشت کو کھوکھلا کر رہی ہے اور سیاست و معاشرت اور معیشت ہر شعبہ میں ملک و قوم غیروں کی دست نگر اور محتاج بن رہی ہے، خود کفالت اور خود انحصاری کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اس سلسلے میں حکومت اور عوام دونوں کا فریضہ ہے کہ

وہ رہائش، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں حقیقی سادگی کے اصول کو عملاً اس طرح نافذ کریں کہ زندگی میں تزئین و آرائش کے رجحانات کی مکمل حوصلہ شکنی ہو سکے اور زائد از ضرورت روپیہ عوام کی فلاح و بہبود پر صرف ہو سکے۔

ذ۔ قیام امن و عدل

مملکت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ملک ایک طرف تو اندرونی اور بیرونی خطرات، بدامنی اور انتشار سے محفوظ و مامون ہو اور دوسری طرف جماعت، قوم اور اس کے افراد کے حقوق کی صحیح نگہداشت ہو۔

سیرت طیبہ سے بھی ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ آپؐ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی ان دو چیزوں کو اوّلین ترجیحات میں شامل کیا (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے) جو ملک سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار رہو، جہاں بدامنی، انتشار اور ظلم کا دور دورہ ہو، عوام کے حقوق محفوظ نہ ہوں، ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ حاصل نہ ہو، عدل و انصاف مفقود ہو وہاں ترقی و خوشحالی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ایک اسلامی ریاست کی اوّلین ترجیح قیام امن اور قیام عدل ہونا چاہیے تاکہ حقیقی فلاح و سعادت تک رسائی حاصل ہو سکے اور خوشحالی و ترقی کے راستے میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو سکیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۔ حکومت ملک میں امن و امان کی بحالی اور بدامنی کے قلع قمع کے لیے اقدامات کرے اور رعایا کے جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ کو یقینی بنائے۔

۲۔ ملک کے دفاعی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے دورِ حاضر کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ہر قسم کے آلات و فنونِ حرب کو ترقی دے۔

۳۔ جرائم کے قلع قمع کے لیے اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام نافذ کرے۔

۴۔ سیاست، معاشرت اور معیشت کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھے اور فوری سستے انصاف کے حصول کو یقینی بنائے۔

یہی وہ پاکیزہ تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر افراد و اقوام، حکومتوں اور مملکتوں کی کایا پلٹ گئی اور وہ دنیوی اور اخروی خیرات و برکات کا مورد بنیں۔ ان کی اعجاز آفرینی آج بھی اپنے شباب پر ہے۔ اور ستم رسیدہ، افلاس گزیدہ انسانیت انہی کو اپنا کر فلاح و سعادت کی منازل طے کر سکتی ہے۔

تمت بالخیر

حواشی و مراجع

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح : باب الکسب و طلب الحلال

۲۔ المائدۃ : ۲

۳۔ البقرۃ : ۲۱۵

۴۔ النساء : ۵

۵۔ الاعراف : ۳۲

۶۔ ایضاً

۷۔ النحل : ۸۰

۸۔ الماوردی : "ادب الدین والدنیا" دارالکتب العربیہ مصر، سن ن، ص ۷۸

۹۔ مؤطا مالک، کتاب الجامع، باب الدعاء للمدینۃ واہلہا

۱۰۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب الاستعاذہ

۱۱۔ مثلاً دیکھیے آیات الہود : ۵۰-۵۲، نوح : ۱۰-۱۲

۱۲۔ المائدۃ : ۶۶

۱۳۔ الاعراف : ۹۶

۱۴۔ ہود : ۳

۱۵۔ النّور : ۵۵

۱۶۔ طٰہٰ : ۱۲۴

۱۷۔ القصص : ۷۷

۱۸ - الحجر : ۸۸

۱۹ - ملاحظہ ہو۔ البقرۃ : ۱۷۷، ۱۸۸، ۲۶۲ - ۲۶۴، النساء : ۱۰، ۲۹، ۳۶ - ۳۸،
المائدہ : ۳۳، ۸۸، الاسراء : ۲۶، ۲۷، الھمزۃ : ۱-۴

۲۰ - مسند احمد بن حنبل ۔ ج ۲ ص ۱۰۸

۲۱ - جامع ترمذی ۔ ابواب النکاح، باب ماجاء لانکاح الا بولی

۲۲ - ابن الطقطقی : "الفخری والآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ" مطبعۃ الرحمانیہ مصر ۱۹۲۷ء ص ۵۲

۲۳ - تفصیل کے لیے دیکھیے : ابن ہشام : "السیرۃ النبویۃ" مصر ۱۹۳۶ء ج ۲ ص ۱۴۸-۱۵۰، نیز دیکھیے
ابوعبید القاسم : "کتاب الاموال" المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۳۵۳ھ ج ۲ ص ۲۰۲ - ۲۰۵

۲۴ - حمید اللہ : "خطبات بہاولپور" ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۲ - ۲۴۳

۲۵ - السہیلی : الروض الانف شرح سیرۃ النبویۃ لابن ہشام فصل فی ذکر تعلیم اہل الطائف

۲۶ - المقریزی : امتاع الاسماع " مطبعۃ التالیف ۱۹۴۱ء ص ۴۱۸

۲۷ - مثلاً آیات ۔ بنی اسرائیل : ۴، الانعام : ۱۹، النور : ۱

۲۸ - آل عمران : ۶۴، الانعام : ۹ - ۱۰

۲۹ - مثلاً آیات ۔ الحجرات : ۱۱، ۱۲

۳۰ - مثلاً آیات ۔ النحل : ۹۰، مائدہ : ۸، النور : ۲۲

۳۱ - کتانی الفاسی : التراتیب الاداریہ ... رباط ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۳۶۱، الحشر : ۹

۳۲ - البخاری، کتاب الادب، ج ۲ ص ۸۹۱

۳۳ - کتانی : ج ۱ ص ۲۹۲ - ۲۹۳

۳۴ - کتانی : ج ۱ ص ۳۶۱

۳۵ - ایضاً : ۳۰۰

۳۶ - ایضاً : ۲۹۵ - ۳۰۰

۳۷ -

۳۸ - ابن ہشام : ج ۲ ص ۱۵۰

۳۹ - ابن اسحاق : سیرۃ
۴۰ - الانفال : الانفال : ۱۰ ، بخاری، کتاب التفسیر
۴۱ - دیکھئے ابن سعد: "الطبقات الکبریٰ" بیروت ۱۹۶۰ء ج ۳ ص ۵۱، ۵۶، ۱۲۶، ۱۶۱، ۲۱۶، ج ۴ ص ۲۵۳ وغیرہ
۴۲ - بلاذری "انساب الاشراف" قاہرہ ۱۹۵۹ء ج ۱ ص ۵۳۶
۴۳ - دیکھئے حمیداللہ "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ" قاہرہ ۱۹۴۱ء ص ۴۳ - ۴۵ ، ۷۷ - ۷۳ ، ۱۳۷
۴۴ - ایضاً : ۱۶۵
۴۵ - ایضاً : ۱۱۵ - ۱۱۶
۴۶ - تفصیل کے لیے دیکھئے شبلی : سیرت النبی : ج ۱ ص ۲۸۲ - ۲۸۷ - نیز مارگولیتھ: لندن ۱۹۰۵ء ص ۹۶، ۹۹
۴۷ - واقدی "کتاب المغازی" کلکتہ ۱۸۵۶ء میں ۴۵۲، ۵۰۰ ، ۵۴۷
۴۸ - ابن قیم "زاد المعاد"، مصر ۱۹۵۰ء ج ۳ ص ۳۸
۴۹ - کتانی : ج ۱ ص ۴۴۸
۵۰ - ایضاً : ۱ / ۴۵۱
۵۱ - ابو یوسف "کتاب الخراج"۔ المطبعۃ السلفیۃ۔ قاہرہ ۱۳۵۲ھ ص ۱۸
۵۲ - الانفال : ۴۱
۵۳ - کتاب الخراج : ۳۳
۵۴ - الماوردی : ۱۱۱
۵۵ - بلاذری ص ۲۴، ۲۸ ، ۳۶ ، ۳۷
۵۶ - ایضاً : ۲۴ - ۲۶
۵۷ - بخاری، کتاب الجہاد ، ابوداؤد، کتاب الخراج والفئ
۵۸ - کتاب الخراج : ۷۶

۵۹ ۔ سیرت النبی، شبلی : ۲/ ۸۳

۶۰ ۔ الماوردی

۶۱ ۔ البخاری، کتاب المغازی : ۲/ ۶۲۳

۶۲ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ۔ ابوعبید "کتاب الاموال ۴۷۶ ۔ ۴۷۷

۶۳ ۔ التوبہ : ۶۰

۶۴ ۔ ابوداؤد ۔ کتاب الخراج والفی، والامارۃ

۶۵ ۔ الترمذی، باب ماجاء لانکاح الا بولیّ

۶۶ ۔ مثلاً آیات : البقرۃ : ۲۵، الاعراف : ۳۲

۶۷ ۔ النساء : ۲، ۴، ۷، ۱۰، البقر : ۲۷۵، ۲۷۹ ۔ ۲۸۰، المائدہ : ۳۳، الانعام : ۱۴۱، الاعراف : ۳۱، التوبہ : ۳۴، الفرقان : ۶۷، لیل : ۷۱ وغیرہ

۶۸ ۔ الاعراف : ۳۱، ۳۲، الحدید : ۲۵

۶۹ ۔ البقرہ : ۱۷۷، ۲۷۳، النساء : ۳۶ ۔ ۳۸، المائدہ : ۸۹، التوبہ : ۳۴ ۔ ۶۰، التکاثر : ۱ ۔ ۳ وغیرہ

۷۰ ۔ النساء : ۱۱ ۔ ۱۲، البخاری : کتاب الوصایا وکتاب الفرائض

۷۱ ۔ النووی، "ریاض الصالحین" باب التعفف وذم السوال من غیر ضرورۃ

۷۲ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ۔ ابن سعد : ۱/ ۲۶۸، ۲۷۱ ۔ ۲۷۴، کتاب الاموال : ۲۷۲ ۔ ۲۸۲،

۷۳ ۔ البخاری : ابواب الحرث والمزارعۃ، ابوداؤد ۔ کتاب الخراج والفی والامارۃ

۷۴ ۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب المساقات والمزارعۃ

۷۵ ۔ مشکوٰۃ المصابیح : کتاب البیوع

۷۶ ۔ دیکھیے ۔ آیات ۔ الاعراف : ۱۰، النور : ۳۷، الجمعہ : ۱۰، نیز مشکوٰۃ المصابیح ۔ کتاب البیوع باب الکسب

۷۷ ۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارہ

۷۸ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے البخاری : کتاب البیوع، مسلم، کتاب الایمان

۷۹ - ایضاً

۸۰ - کتانی : ۱/۱۲۴

۸۱ - الحلبی : "السیرۃ الحلبیۃ" قاہرہ سنہ ۱۹۶۲ء ۳ / ۳۶۵

۸۲ - شمائل ترمذی - المطابع کراچی ص ۱۱۴

۸۳ - ایضاً : ۱۱۵

۸۴ - ایضاً : ۱۲۰

۸۵ - ایضاً : ۱۱۹

۸۶ - بخاری و مسلم : کتاب النکاح ، باب الایلاء

۸۷ - ایضاً : ۱۱۹

۸۸ - جامع ترمذی

۸۹ -

۹۰ - مشکوۃ المصابیح باب الاستعاذہ

۹۱ - جامع الترمذی

۹۲ - ابن سعد : ۲/۱۹-۲۰

۹۳ - ترمذی : کتاب الاحکام ، باب ما جاء فی امام الرعیۃ

۹۴ - بخاری : کتاب الاحکام - باب من استرعی رعیۃ ، فلم ینصح

۹۵ - ترمذی : باب ما جاء لا نکاح الا بولی

۹۶ - کتاب الاموال : ۲۲۰

۹۷ - ابن سعد : ۳ / ۳۰۵

۹۸ - الغزالی : "التبر المسبوک فی نصائح الملوک" مطبعہ خیریہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ ص ۱۷

۹۹ - طبری - حوادث سنہ ۲۳ھ

۱۰۰ - کتاب الخراج : ۱۵۰-۱۵۱

۱۰۱ - ابن سعد : ۲ / ۲۲۲

۱۰۲ ۔ ابن عبد البر: "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۸ھ ۱/ ۳۹۳

۱۰۳ ۔ ابو داؤد ۔ کتاب البیوع ۔ باب فی کسب المعلم

۱۰۴ ۔ کتاب الاموال : ۲۶۱

۱۰۵ ۔ ایضاً : ۲۵۱

۱۰۶ ۔ کتانی ۔ اوّل ، ۳۹۶

۱۰۷ ۔ ابن سعد : ۵ / ۵۲۸ ۔ ۵۲۹ ، ۵۲۴ ۔ ۵۲۵

۱۰۸ ۔ بخاری : باب رزق الحکام والعاملین علیہا ۔ نیز الکتانی اوّل ص ۲۶ ۔ ۶۶

۱۰۹ ۔ دیکھیے ۔ کتاب الاموال : ۶۰۶ ، ۶۶۲ ، نیز کتاب الخراج : ۶۴

۱۱۰ ۔ کتاب الاموال : ۶۰۶

۱۱۱ ۔ الہود : ۶۱

۱۱۲ ۔ جصاص: "احکام القرآن" مطبعہ سلفیہ ۱۳۳۵ھ ۳ / ۱۶۵

۱۱۳ ۔ سرخسی: "المبسوط" مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ ج ۲۳ ص ۱۵

۱۱۴ ۔ مؤطا مالک : کتاب الجامع ۔ باب الدعاء للمدینۃ واہلہا ۔

۱۱۵ ۔ ابو داؤد ۔ کتاب الجہاد : "باب فی النفل للسریۃ . . "

۱۱۶ ۔ ابن عبد الحکم: "فتوح مصر" مطبع بریل ۔ لیدن ۱۹۲۰ء ص ۱۶۱ ۔ ۱۶۲

۱۱۷ ۔ مؤطا مالک

۱۱۸ ۔ بخاری : کتاب الزراعۃ

۱۱۹ ۔ ابن کثیر : ۷ / ۳۵

۱۲۰ ۔ مبسوط : ۲۲ / ۲

۱۲۱ ۔ صحیح بخاری، کتاب الزراعۃ

۱۲۲ ۔ کتاب الخراج : ۶۴

۱۲۳ ۔ ایضاً : ۶۲

۱۲۴ ۔ ایضاً : ۶۵

۱۲۵ ۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ۔ المبسوط : ۱۲/ ۱۶۴

۱۲۶ ۔ ایضاً

۱۲۷ ۔ فتوح البلدان ۵ / ۳۵۳

۱۲۸ ۔ کتاب الاموال : ۲۵۱

۱۲۹ ۔ طحاوی : شرح معانی الآثار مطبع مصطفائی دہلی ۱۳۰۲ھ ج ۲ ص ۲۶۱

۱۳۰ ۔ کتاب الخراج : ۸۶

۱۳۱ ۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ کتاب البیوع

۱۳۲ ۔ بخاری ۔ ابواب البیوع

۱۳۳ ۔ احیاء علوم الدین ۔ باب فضل الکسب والحث علیہ ۲ / ۶۳

۱۳۴ ۔ الاسلام والحضارۃ العربیۃ : ۱ / ۱۲۰

۱۳۵ ۔ ابن سعد : ۳ / ۱۳۱

۱۳۶ ۔ الانفال : ۶۱

۱۳۷ ۔ الجمعۃ : ۱۰ ، النساء : ۲۹

۱۳۸ ۔ ترمذی ۔ ابواب البیوع

۱۳۹ ۔ ایضاً

۱۴۰ ۔ کنز العمال ۔ الفصل الثالث فی انواع الکسب وآدابہ

۱۴۱ ۔ اسد الغابۃ : ۳ / ۳۱۶ ، ابن سعد : ۳ / ۶۰ ، ۱۳۱ ، واقدی : ۵۲۳

۱۴۲ ۔ واقدی ۔ ایضاً

۱۴۳ ۔ مؤطا مالک : کتاب القراض ، ابن سعد : ۳ / ۲۷۸

۱۴۴ ۔ طبری ۔ حوادث ۲۲ھ ۔ مسند احمد ۔ طبع مصر ۱۹۴۷ء ، ۲ / ۵۴۰

۱۴۵ ۔ بخاری کتاب الرقاق ، باب مایکرہ من قیل وقال ۔

۱۴۶ ۔ مستدرک حاکم : ۲ / ۱۲

۱۴۷ ۔ صحیح مسلم : کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

۱۴۸ - سنن ابن ماجہ ۔ کتاب التجارات

۱۴۹ - ہود : ۸۵

۱۵۰ - ترمذی : ابواب البر والصلۃ

۱۵۱ - مستدرک حاکم : ۲/ ۸

۱۵۲ - تفصیل کے لیے دیکھیے ۔ صحیح مسلم، شرح نووی ۔ کتاب البیوع ۔ نیز ابن تیمیہ "الحسبۃ فی اسلام"

۱۵۳ - مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب المنہی عنہا من البیوع

۱۵۴ - مسلم : کتاب الایمان

۱۵۵ - السیرۃ الحلبیۃ ص ۳۶۵

۱۵۶ - مؤطا مالک : کتاب الزکوٰۃ ۔ باب عشور اہل الذمہ ۔ نیز ۔ ابن تیمیہ "الحسبۃ فی الاسلام" مطبعۃ المؤید ۔ مصر ۱۳۱۸ھ ص ۴۳ ۔

۱۵۷ - الزخرف : ۳۲

۱۵۸ - الحشر : ۷

۱۵۹ - البقرہ : ۲۷۸ - ۲۷۹

۱۶۰ - تفصیل کے لیے دیکھیے ۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ : ص ۴۰، ۶۲ - ۶۴، ۷۰ - ۷۱، ۷۸، ۷۹، نیز "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" : ۱/ ۵۹۶ - ۵۹۷

۱۶۱ - قرطبی "احکام القرآن" ۔ دارالکتب المصریہ ۔ قاہرہ ۱۹۵۲ء

۱۶۲ - کتاب الخراج : ۱۴

۱۶۳ - الاعراف : ۳۱

۱۶۴ - بنی اسرائیل : ۲۷

۱۶۵ - طبری : ۲/ ۵

۱۶۶ - مروج الذہب : ۳/ ۹۲۹ - ۹۳۰

۱۶۷ - بخاری "ادب المفرد" ۔ ص ۶۶